اُردو خاکہ نگاری مردوزن کے زاویۂ نظر کا امتیاز

ڈاکٹر عقیلہ بشیر** شازیہ یاسمین*

Abstract

There is no mention of female sketch. Writers in the tradition of Urdu Sketch writers. the critics have ignored then. Male writers seems to be given primary importance in this genre. Though thee are very few female writers in this are yet they do exist. But modern women are showing more and more interest in modern times. Some of these sketch-writers include Asmat Chughtai, Qurat-ul-Ain Haider, Khadija Mastoor, Sahab Qazalbash, Nisar Aziz Butt, Kishwer Naheed, Neelam Ahmed Bashir, Salma Khursheed, Hameeda Sultan, Begum Anees and Sughra Mehdi. There is no real distincion between male writers and female writers these days. Female writers of modern times are making their presence felt.

مش رقی تصور زندگی پر مذہبی اقدار حیات کا سخت پہرہ ہے، مشرقی خواتین کا کردار تخلیقی مزاج، مردوزن کے تعلقات نفسی کی ضمانت سائنس کا پیدا کردہ شعور نہیں یہ وہ رشتے اور جذبات ہوتے ہیں جن سے تہذیب و تمدن کو احساسات کی دنیا میں فروغ حاصل ہوتا ہے اور یہ زندگی کا تمام فلسفہ مردوزن کے باہمی رشتوں کی تہذیب سے عبارت ہے۔ یوں اُردو ادب کے تخلیقی رجحانات برائے خواتین کے حوالے سے ہمیں برصغیر کی مذکورہ تہذیب و تمدن، مردانہ سماج، ہندوازم، اور اسلامی رسم و رواج و تہذیب کو سامنے رکھ کر مرد و خواتین کے تخلیقی عمل اور اُن کے زاویہ نظر کو دیکھنا ہوگا۔

حالی کی نظموں' نذیر احمد، راشد الخیری کے ناولوں اور بیگم بھوپال کی عملی کوششوں کی بدولت یہ ہوا کہ خواتین کی ایک بڑی تعداد جن میں محمدی بیگم، طیبہ بیگم، اشرف جہاں، نذر سجاد حیدر نے اپنی تخلیقات کے ذریعے اس تحریک کو وسعت دی۔ مگر یہ تخلیقات عموماً مسلم اشرافیہ اور گھر کے کرداروں کے ارگرد گھومتی نظر آتی ہیں۔ مسلم عورتوں میں پہلی بار جس خاتون نے روایت سے بغاوت کی اور عالمگیر نظریات کو سمجھا ڈاکٹر رشید جہاں تھیں ان کے

* پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اُردو' بہاءالدین زکریا یونیورسٹی' ملتان۔
** شعبہ اُردو' بہاءالدین زکریا یونیورسٹی' ملتان۔

بعد قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، ادا جعفری، پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، کشور ناہید جنہوں نے بغیر کسی تفریق کے ادب تخلیق کیا۔اس لیے ایک دن عالموں کی ہے جو کہتی ہیں کہ تخلیق کار کے مابین صنفی امتیاز نہیں کیا جانا چاہیے شاید اسی تناظر کہا جاتا ہے کہ مرد لکھتے ہوئے عورت بن جاتی ہے اور عورت لکھتے ہوئے مرد بن جاتا ہے۔آج اُردو ادب میں روحِ عصر کا مطالعہ نسائی شعور کی تفہیم سے کیا جارہا ہے۔اُردو ادب کی باقی اصناف کی طرح خاکہ نگاری میں خواتین کی تخلیقات کم ہیں مگر بعض خواتین خاکہ نگار نے جو خاکے تحریر کیے وہ تخلیقیت کے اعلیٰ فن کا نمونہ ہیں۔

خاکہ نگاری کی اس طویل روایت میں ناقدین ادب نے جب بھی خاکہ نگاری کی روایت بیان کی اُس میں خواتین کا ذکر خال ہی موجود ہے۔ادب کی اس صنف میں مردوں کی بالادستی، یا مردوں کی برتری کا عنصر واضح نظر آتا ہے اور یہ صنف خواتین کے لکھے گئے خاکوں سے محروم تو نہیں ہے لیکن تشنہ ضرور نظر آتی ہے۔اس کی کیا وجوہات ہیں کیا خواتین کا رجحان اس صنف میں نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو اُس کی وجہ کیا ہے؟ یا اس صنف کو لکھنے میں عورت کے قلم پر قدغن لگائے گئے ہیں۔مختلف سوالات کے لئے یہ صنف تقاضا کرتی ہے کہ اس کے لئے دوسری اصناف ادب، ناول، افسانہ، ڈرامہ، داستان، شاعری کی طرح دونوں تخلیق کار کی تخلیقیت کا اس پہلو سے بھی جائزہ لیا جائے، اس مقصد کے تحت جب اس موضوع کا انتخاب کر کے خاکے اکٹھے کیے گئے تو بہت سی تعداد میں شخصیات کے ایسے خاکے ملے، جن میں ایک ہی شخصیت پر مرد و خواتین نے اپنے اپنے زاویہ نظر کا اظہار کیا لیکن خاکہ نگاری کی روایت میں ہمیشہ صرف عصمت چغتائی کا ذکر ہی موجود رہتا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں نے کم خاکے لکھے ہیں لیکن نصف کی تعداد میں لکھے ضرور ہیں جن کا ذکر کہیں بھی کبھی نہ یحییٰ امجد نے خاکہ نگاری کی ذیل میں کیا، اور نہ ہی فن خاکہ نگاری کی روایت بشیر سیفی کی کتاب میں ہوا شمیم حنفی نے آزادی کے بعد اُردو میں خاکہ نگاری میں چند ایک کے ناموں کو شامل کیا ہے، اس لیے خاکہ نگاری کی تنقید سے متعلق کتابوں میں خواتین میں سے چند ایک کے نام ہی ملتے ہیں۔

عصمت چغتائی کے علاوہ قرۃ العین حیدر، خدیجہ مستور، صالحہ عابد حسین، ہاجرہ مسرور، سلمیٰ خورشید، حمیدہ سلطان، بیگم انیس قدوائی، صغرا مہدی، سحاب قزلباش، نثار عزیز بٹ، کشور ناہید، نیلم احمد بشیر، ان کے علاوہ مختلف ادباء کی بیویوں سے بھی خاکے لکھوائے گئے جنہوں نے اس روایت میں شامل ہو کر اسے وسعت دی۔اُن میں ایلس فیض، بیگم خلیل صدیقی، بلند اقبال، بنتِ یگانہ، بیگم اخلاص حسین ہیں۔

قرۃ العین حیدر نے اپنے والد کے حوالے سے خاکہ تحریر کیا جو نقوش شخصیات نمبر کے لئے لکھوایا گیا۔دوسرا رشید احمد صدیقی نے تحریر کیا۔اُن دونوں خاکوں میں ایک جیسا ہی اُن کی عادات واطوار، اُن کی انفرادیت اور ترکی زبان

اور ترک لوگوں سے محبت کا رویہ، سب کچھ دونوں خاکہ نگاروں میں مماثلت رکھتا ہے۔ بلکہ قرۃالعین نے رشید احمد کے وہ خیالات نہیں لکھے جو وہ خود بتانا چاہتی تھیں فرق صرف یہ ہے کہ جہاں رشید احمد صدیقی نے اُن کے انشائیوں کا ذکر کیا وہاں، قرۃالعین نے اپنے حسب و نسب کا بتایا قرۃالعین حیدر کے لکھے گئے خاکے میں یہ بات نمایاں ہے کہ وہ اُس عہد میں لوگوں کے درمیان بلند سطح رکھنے اور اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کی ایک لاشعوری کوشش بھی کرتی نظر آتی ہیں۔

عظیم بیگ چغتائی کا خاکہ جسے عصمت چغتائی اور شاہد احمد دہلوی نے لکھا۔ شاہد احمد دہلوی نے بڑے دھیمے اور ٹھہرے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں عظیم بیگ چغتائی کی شخصیت پر لکھا، جس میں نہ جانبداری کا عنصر واضح ہوتا ہے اور نہ غیر جانبداری کا بلکہ آہستہ آہستہ عظیم بیگ چغتائی، کے کردار سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔ عظیم بیگ چغتائی کے حسب و نسب سے لے کر اُن کے آخری لمحات تک شاہد احمد دہلوی کی شخصیت کو اس طریقے سے بیان کیا کہ کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں رہ جاتا لیکن عصمت چغتائی براہ راست اپنے بھائی کی شکل و صورت، اُس کی سوچ، اُسکے خلاف اپنی نفرت، اکتاہٹ کو اپنے دلکش انداز میں تو تڑاخ سے الفاظ و معانی کے تمام بت توڑتی ہیں کہ منٹو بھی اُن کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

> "شاہ جہاں نے اپنی محبوبہ کی یاد میں قائم رکھنے کے لیے تاج محل بنوایا۔ عصمت نے اپنے محبوب بھائی کی یاد میں "دوزخی" لکھا"۔(۱)

عصمت چغتائی کا دوزخی ایک شاہکار ہے۔ اس میں صرف وہ پہلو نہیں ہے جسے عصمت چغتائی نے اجاگر کر کے بظاہر عظیم بیگ کی شخصیت کو دکھایا بلکہ وہ دوزخی کے ذریعے نہ صرف اپنی محبت اور دکھ دونوں جذبوں کا اظہار کرتی ہیں بلکہ اپنے بھائی کی تمام افکار و خیالات کو بھی بیان کرتی ہیں۔ "دوزخی" عصمت چغتائی کا وہ حوالہ ہے جو ہمیشہ خاکہ نگاری کے فن میں اعلیٰ مقام پر رہے گا۔ اس لیے عصمت چغتائی نے لفظ "عورت" بطور تخلیق بیانیہ کے اپنی انفرادیت کو منوایا ہے۔ کیونکہ پوری روایت میں یہ لب و لہجہ اور انداز بیاں ہمیں کسی بھی خاکہ نگار کے ہاں نظر نہیں آتا۔

> "وہ اندوہناک سیاہ گھٹاؤں کی طرح مرجھائے ہوئے چہرے پر پڑے ہوئے گھنے بال، وہ پیلی نیلاہٹ لیے ہوئے بلند پیشانی، پر مردہ اودے ہونٹ جن کے اندر قبل از وقت توڑے ہوئے ناہموار دانت اور لاغر سوکھے سوکھے ہاتھ اور عورتوں جیسی نازک اداؤں میں لمبی لمبی انگلیوں والے ہاتھ اور اُن ہاتھوں پر ورم آگیا تھا۔ کلیجے ہزاروں کپڑوں بنیانوں کی تہیں اور اس سینے میں ایسا پھڑکتا ہو چلبلا دل"۔(۲)

ڈاکٹر آفتاب احمد نے فیض احمد فیض سے ملاقاتوں کے ذریعے اُن کی شخصیت کا خاکہ لکھا ڈاکٹر آفتاب بظاہر فی ض احمد فیض جیسے بڑے ادیب سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ وہ فیض کی زندگی کے لمحوں میں شامل ہو کر آہستہ آہستہ ان کی

نجی اور خارجی زندگی سے واقفیت حاصل کر کے اُن کی شخصیت کو ایک عملی اور ہمہ وقت مقصد پر نظر رکھنے والا، محبت اور حساس جذبوں والے شاعر کی زندگی سے متاثر ہو کر خاکہ لکھا اور بھرپور شخصیت بیان کر کے خاکہ نگاری کا حق ادا کیا ہے۔

> "ایک فرد کی حیثیت سے اُن کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی رچی ہوئی اور مربوط شخصیت تھی جس نے گرم و سرد زمانہ کو بڑے سلیقے کے ساتھ اپنے اندر سمور کھا تھا۔ میرا ان سے ربط و تعلق رہا ہے وہ ابتدا میں تو رسمی نوعیت ہی کا تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ شفقت و محبت اور قرب موانست کے ایک ایسے رشتے میں تبدیل ہو گیا تھا کہ جسے میں اپنی زندگی کی متاع عزیز سمجھتا ہوں"۔(۳)

ایلس فیض اپنے شوہر کی شخصیت کے زندگی کی لاپروائیاں، اور کج رویوں کو اس لیے نظرانداز کرتی رہتی ہیں کہ وہ ایک بڑے شاعر تھے۔ ایلس فیض لوگوں کے پوچھے گئے سوالات کو مدِنظر رکھ کر خاکہ ترتیب دیتی ہیں۔

> "کیا آپ اپنے شوہر کی شاعری سمجھ لیتی ہیں، یہ سوال مجھ سے اکثر کیا گیا۔۔۔ میرا جواب ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کو سمجھنے کا دعویٰ تو نہیں کرتی لیکن یہ دعویٰ ضرور ہے کہ میں شاعر کو سمجھتی ہوں"۔(۴)

ان سوالوں کے جواب کے باوجود بھی وہ فیض کی شخصیت کو متحرک یا جاندار نہیں بنا سکیں۔ ڈاکٹر آفتاب اور ایلس فیض کی خاکہ نگاری میں بہت فرق ہے۔ جیسے ایک ادیب اور عام لکھاری میں ہوتا ہے۔

میراجی کا خاکہ سحاب قزلباش اور منٹو نے لکھا۔ منٹو کو خاکہ نگاری میں یہ انفرادیت حاصل ہے انہوں نے جدت اختیار کی اور خاکہ لکھنے کے لیے انہوں نے افسانے اور خاکے کے امتزاج شخصیت کو زندہ جاوید بناتے گئے۔ انہوں نے میراجی کا خاکہ لکھنے کے لئے تین گولے کے لحاظ سے جو فلسفہ بیان کیا وہ میراجی کی شخصیت کو اُسی عناصر میں ہی رکھ کر پیش کرتے گئے۔ میراجی کی شخصیت دراصل بہت مبہم، الجھاؤ لیے ہوئے تھی بلکہ میراجی کی زندگی منٹو کے نزدیک ایک تثلیث کے گرد گھومتی ہے اور تثلیث زندگی، صحت، موت تھی۔ جہاں انہوں نے اُن کی ہر عادت، نفسیاتی و جنسی ہر پہلو کو اُجاگر کیا۔ اسکے برعکس سحاب قزلباش نے شعوری فلسفہ کی بنت سے میراجی کی شخصیت بیان کرنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے تحریر مبہم ہو گئی، یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ منٹو کے خاکے کو پڑھ کر ویسا ہی ایک ماحول پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن وہ منٹو کی طرح میراجی کی شخصیت کو اجاگر نہیں کر سکیں بلکہ اُن کے خاکے میں اُن کی ذات میراجی کے گرد گھومتی ہے۔ اور جذبات سے بھرپور عبارت ایک خط اُن لکھاری کا لب و لہجہ واضح سامنے آتا ہے۔

> "لوگ کہتے ہیں: تم بمبئی میں تھے۔ تو کیا کیا نہ ہوا تمہارے ساتھ کئی کئی روز تم بھوکے

> رہے۔ کئی راتیں تم نے گلیوں سڑکوں پر ٹہل کر گزار دیں، حلق پیاس سے چٹختا رہا اور جن لوگوں کو تم پر آج کل پیار آرہا ہے کئی صفحے کالے کر ڈالے تم پر وہ رات بھر تمہیں دیسی شراب بھی نہ پلا سکے ایک وقت کھانا بھی نہ کھلا سکے اب کہتے ہیں زمانے کے ایک ذہین شاعر کو ختم کر دیا"۔(۵)

دونوں خاکہ نگاروں کا نقطہ نظر اس طریقے سے پیش کرنا، شخصیت کو الگ الگ زاویہ نظر سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور دونوں تخلیق نگاروں کی اس تخلیقی آمیزش ہے ایک بھرپور شخصیت ہمارے سامنے آتی ہے۔

سعادت حسن منٹو کا خاکہ عصمت چغتائی اور اوپندر ناتھ اشک نے منفرد طرز اظہار نوک جھونک کے واقعات سے مزین ہے اور منٹو کے ہر پہلو کو بیان کیا منٹو ایک چلتا پھرتا ادیب لڑتا جھگڑتا اور سب سے جنگ کرتا ہوا زندگی سے جانے کے بعد بھی ہمیشہ جو مقام وہ چاہتا تھا، وہ اُس نے پایا ہمیشہ ادب میں وہ چمکتا ستارہ ہی رہا۔

> "میں نے کہا کہ ہمارے لیے کردار پہلے سے ڈھل گئے اور ہم انہیں کھیلنے کھیلنے کو مجبور تھے اس میں ہمارے پھکڑ پنے، انانیت اور ضد کا قصور نہ تھا، خارجی حالات بھی ایسے تھے۔ دوستوں نے ہمیں ایک دوسرے کا حریف مان لیا تو ہماری ہر بات کو وہ اس روشنی میں دیکھنے لگے"۔(۶)

عصمت چغتائی نے عورت ہونے کے حوالے سے مخصوص لب و لہجہ کے ذریعے منٹو کا خاکہ لکھا جس کی ترتیب، الفاظ واقعات خالصتاً عورت کی زبانی محسوس ہوتے ہیں۔ جبکہ اوپندر ناتھ اشک نے اُس ماحول کو زیادہ بیان کیا جس میں ایک ادبی طبقہ اپنی عملی کاروائی میں سر گرداں تھا۔ اس طرح دونوں خاکے اپنی اپنی جگہ مکمل شخصیت کو ابھارنے میں کامیاب ہیں۔ ان دونوں خاکوں میں منٹو ہمیں اپنی تحریر کی طرح شخصیت میں بھی منفرد نظر آتے ہیں۔

سید سبطِ حسن کا خاکہ کشور ناہید اور حمید اختر نے لکھا ہے۔ کشور ناہید نے اُن کی زندگی کے آخری دو سالوں کی ملاقاتوں، اُن کے کاموں اور اُن کی عادات کا ذکر بڑے مختصر انداز میں کیا ہے۔ کیونکہ کشور ناہید اُن سے زندگی کے آخری سالوں میں ملی تھیں اور سبط حسن کا یہ وہ دور تھا جب نوجوان آگے کی طرف بڑھتے ہوئے ادبی رجحان سے مستفید ہونے اور اُس میں شامل ہونے کے لئے اپنے بزرگوں سے اُن کے تجربات سے مستفید ہونے کے لئے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے کشور کے خاکے کو ہم مکمل خاکہ کی بجائے تعارفی مضمون کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ چند ملاقاتوں کا ذکر ہے۔ حمید اختر نے سبط حسن کے ساتھ بہت عرصہ گزارا اس لیے انہوں نے بڑے مربوط انداز میں خاکہ کو ترتیب دیا اور مختلف عنوانات کے تحت وہ بیان کرتے گئے اس طریقے سے اجمالی طور پر سبط حسن کی زندگی کے تمام پہلو کھل کر واضح ہوتے جاتے ہیں۔

حمید اختر کے خاکے کو ہم مکمل خاکہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر کشور ناہید کی تحریر کی دل کشی اس میں ہے کہ وہ اپنے ساتھ ساتھ قاری کو عالم بزرگوں سے سیکھنے کا درس بھی دیتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

خلیل صدیقی کا خاکہ اُن کے شاگرد ڈاکٹر انوار احمد نے لکھا جن کو اپنے اُستاد سے بہت عقیدت تھی اُسی جذبے کے تحت ڈاکٹر انوار احمد نے استاد کی عقیدت کے پہلو کو بہت بہتر انداز میں اجاگر کیا ہے اور نہ صرف اپنی عقیدت کا اظہار کیا بلکہ خلیل صدیقی کی شخصیت کے ساتھ ساتھ اُس وقت کے تمام سیاسی حالات کا اجمالی ذکر موجود ہے جو کہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خاکہ نگار کے مشاہدہ کی نظر، شخصیت اور شخصیت پر اثر انداز ہونے والے ماحول پر بھی تھی۔ اسلوب بہت جاندار ہے۔ جس میں اختصار ایک خاص پہلو ہے۔

> "خلیل صدیقی حقیقت میں ان گنے چنے استادوں میں تھے جنہوں نے معلم کے تشخص کو حرمت اور اعتبار سے ہمکنار کیا وہ ایک وسیع المطالعہ، ابلاغ، قادر سوالات کا حوصلہ دینے والے، سوالات کے اجزاء کو تقسیم کر کے خود جواب تلاش کرنے کے قابل بنانے والے اپنے نکتہ نظر کو بے باکی سے بیان کرنے والے مشفق اور منکسر المزاج استاد تھے"۔(۷)

ان کے بر عکس بیگم زبیدہ خلیل صدیقی نے بہت عام اور سادہ انداز میں اپنے شوہر کا خاکہ لکھا، وہ ڈاکٹر انوار احمد کی طرح اسلوب میں وہ پختگی تو نہیں لا سکتیں کیونکہ وہ ادیب نہیں تھی لیکن انہوں نے اپنے شوہر کی نجی زندگی کے پہلو کو نمایاں کیا۔

نیلم احمد بشیر نے اپنے باپ کا اور ممتاز مفتی نے اپنے دوست کا خاکہ لکھا۔ نیلم احمد بشیر نے اپنے ماں باپ کی شخصیت کو زندہ چلتا پھرتا، دکھانے کی بجائے وہ رُخ بتایا جس جذباتیت کا وہ شکار تھیں وہ قاری کو بھی اُسی میں بہا کر لے جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے اُن کا خاکہ باپ کی شفقت سے باہر نہیں نکل پاتا۔ اس کے بر عکس، ممتاز مفتی نے بہت جاندار خاکہ لکھا اور انہوں نے جس کا عنوان غنڈہ رکھا بالکل ویسے ہی احمد بشیر کی شخصیت کو بیان کیا جسے وہ گلیوں میں پھرتا سوشلزم کے لئے لڑتا، جھگڑتا، غنڈہ گردی کر رہا ہے۔ نیلم کا قریبی رشتہ تھا اس لیے یہ فطری بات تھی کہ وہ باپ کی محبت میں سرشار تھیں اُن کے باپ نے جو محبت کا دائرہ قائم کیا تھا جس کے باہر وہ نکل نہ سکی تھیں۔ ممتاز مفتی کا خاکہ بہترین ہے جس نے غیر جانبداری کے ساتھ احمد بشیر کو ایک کہانی کا وہ ہیرو بنا دیا جو ہر بات پر خطرے میں "سو وہاٹ" کہہ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

> "احمد بشیر ادیب اس لیے نہ بن سکا کہ وہ دو ٹوک بات کرنے کا قائل ہے اس میں صبر نہیں استقامت نہیں دستکاری نہیں جو ادبی تخلیق کے لیے ضروری ہیں"۔(۸)

قرۃ العین حیدر کا خاکہ جسے کشور ناہید اور ابن سعید نے لکھا ہے۔ کشور ناہید اس خاکے میں بہت چنچل اور شوخ سی لڑکی کا کردار ادا کرتی نظر آتی ہیں جس میں انہوں نے عینی آپا سے ایک ملاقات کو بیان کیا ہے، جس میں وہ مسلسل اُن کو متاثر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ کشور ناہید نے قرۃ العین حیدر کا خاکہ بہت مختصر انداز میں لکھا اس لیے اسے ہم خاکہ کہنے کی بجائے ایک خوبصورت یاداشت کہہ سکتے ہیں۔

> "سب کی قرۃ العین حیدر، میرے لیے عینی آپا ہیں، سکول اور کالج کے زمانے کی سب سے
> مسحور کن شخصیت جس کی آنکھوں کا کاجل، گھنگریالے بال، بڑی بڑی شوخ آنکھیں۔،
> جن کی کہانیوں کے کردار ہمیں خوابناک لگتے تھے"۔(۹)

ابن سعید قرۃ العین حیدر کی شخصیت کو مکمل بیان کرنے کی بجائے چند سوالات پر مبنی جوابات کی تکمیل کر کے ان کا خاکہ لکھتے ہیں اس لیے اسے خاکہ کی بجائے مضمون ہی کہا جا سکتا ہے۔

ابن سعید، کشور ناہید اور سحاب قزلباش ان میں سے قرۃ العین پر کوئی بھی کامیاب خاکہ نہیں لکھا سکا۔ اس کی وجہ شاید قرۃ العین کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ انہوں نے اپنے گرد ایک ایسی دیوار بنا رکھی تھی جس میں کوئی بھی نہیں داخل ہو سکتا تھا۔ خواہ وہ خواتین ہوں یا مرد۔ اور یہاں تک کہ وہ خود بھی اپنی ذات کو کبھی دوسروں پر آشکار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرۃ العین کی شخصیت کو جاننے کی وہ کسک باقی رہ گئی ہے۔

جمیلہ ہاشمی کا خاکہ جسے کشور ناہید اور سید ضمیر جعفری نے لکھا ہے۔ کشور ناہید نے جمیلہ ہاشمی سے دوستی ہونے تک اور پھر آگے گھریلو، مراسم کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا اور جمیلہ ہاشمی کی شخصیت کو اُن ملاقاتوں کے ذریعے اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور اُس کی سوچ کی عکاسی کی عملی مثال ان کی بیٹی عائشہ تھیں جس کے کردار کی تعمیر میں جمیلہ ہاشمی جیسی ماں کا ہاتھ تھا۔ البتہ اُن کا خاکہ ضمیر جعفری کی نسبت، بہت حد تک بہتر ہے۔ سید ضمیر جعفری نے خاکے نام پر، بہت ہی معمولی سا تبصرہ لکھا ہے جس کو کسی بھی صورت خاکہ نگاری یا یاداشت کی ذیل میں نہیں رکھا جا سکتا۔

مجموعی طور پر جہاں مردوں نے اعلیٰ پائے کا کام کیا ہے وہاں خواتین نے اس صنف کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ مرد کی نظر میں اگر وسعت ہے تو عورت کی نظر میں گہرائی ہے۔ ہمارے ہاں عورتیں چونکہ باہمی رشتوں کی ڈور میں بندھی ہوئی ہیں اور اُن کی سوچ، تجربہ مشاہدہ، بھی اپنے احساسات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے وہ کئی حیثیتوں میں مردوں سے مماثل ہونے کے باوجود بھی مختلف ہوتی ہیں۔ زیر نظر خاکوں میں ہر لحاظ سے خواتین اور مردوں کے زاویہ نظر، اُن کی مشاہدہ، باریک بینی مردوں سے مختلف ہے۔ جہاں مرد جس چیز کو اہمیت دیتے ہیں وہاں وہ عنصر عورت کو کم

اہم نظر آتا ہے۔اور جو مردوں کے لئے دل چسپ موضوعات ہوتے ہیں وہ عورتوں کے لئے نہیں ہوتے۔ جیسے نیلم احمد بشیر بیٹی ہونے کی حیثیت سے باپ کی محبت کے جذبے سے باہر نکل نہیں پاتیں، کشور ناہید عینی سے متاثر ہیں اور متاثر ہونے کا جذبہ خواتین میں مردوں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے اس لیے وہ اپنے خاکے کا آغاز میں ہی اُن کی خوبصورتی کا ذکر کرتی ہیں۔ سبط حسن کا خاکہ لکھتے ہوئے وہ اپنے اندر سیکھنے کا جذبہ لیے ہوئے ہیں لیکن اُن کا اندرونی خوف، عورت کے حوالے سے چھلک پڑتا ہے اس لیے اُن کو آخر وضاحت کی ضرورت کیوں پڑتی ہے۔ جب وہ کہتی ہیں کہ سبط حسن کے ساتھ چند ملاقاتوں میں دوستی والی محبت ہو گئی۔ لاشعوری خوف جو عورت اور مرد کے رشتے میں ہے وہ چھلک پڑتا ہے۔ بالکل یہی خوف عصمت چغتائی کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔

جب وہ ان الفاظ پر زیادہ زور دیتی ہیں کہ منٹو انہیں بہن کہتا تھا اور اس بہن کا تذکرہ وہ پورے خاکے میں دہراتی ہیں اسکے پس پردہ شاید وہ الزامات عصمت کے ذہن میں تھے جو عصمت اور منٹو پر لگائے گئے۔ یہ وہ خواتین کے رویے میں جو ان کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

منٹو جس طرح سے میراجی پر لکھتے ہیں ویسے سحاب قزلباش نہیں لکھ سکیں کیونکہ جنس کے موضوع کو منٹو نے جس طرح بیان کیا ویسے سحاب کے لیے لکھنا ناممکن تھا۔ قرۃ العین حیدر نے اپنی شخصیت کے گرد دائرہ بنالیا ہے جس سے وہ باہر نکلنا نہیں چاہتی تھیں شاید کہ اُس وقت کے ماحول کا اثر تھا کہ وہ اپنے حسب و نسب کا تذکرہ تو کھل کر کرتی ہیں لیکن اپنی شخصیت کا نہیں جس طرح اپنے باپ کی شخصیت پر بھی وہ اُس دائرے سے باہر نہ نکل سکیں۔

ایلس فیض اور بیگم زبیدہ خلیل صدیقی کی شخصیت نگاری میں بھی بہت دل چسپ فرق ہے۔ دونوں خواتین کے مزاج اور رویے اور سوچ کے علاوہ ایک معاشرتی اثر ہے جو دونوں کی تحریر سے عیاں ہے۔ ایلس فیض غیر ملک کی ہیں اُن کی زبان، ثقافت، تربیت، تہذیب و تحریر میں بیگم زبیدہ کی طرح مشرقی پن نہیں جھلکتا جو ان کے ہاں ملا ہے اُن کا شوہر بے ترتیبی پھیلاتا ہے تو وہ ان کی کوتاہی سمجھ کر معاف کرتی ہیں لیکن یہ بکھری چیزوں کو سمیٹنا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ بیگم زبیدہ خلیل صدیقی کے ہاں مرنا، قربانی اور روایتی قسم کی بیوی کا ہر وہ تاثر موجود ہے جو ایلس فیض میں نظر نہیں آتا۔

خاکہ نگاری کا فن شخصیات سے تعلقات پر مبنی ہے۔ لیکن آج کے دور میں اس صنف میں بھی خواتین کا رجحان بڑھ رہا ہے اب معاشرے میں عورت اور مرد کے درمیان کی تفریق باقی نہیں رہی، خواتین بطور مرد بیانیہ کے نقطہ نظر کے نظریات کو توڑ کر ہر صنف ادب میں اپنی تخلیقی قوت اور انفرادیت کو منوا رہی ہیں۔ معاشرتی اور سماجی قدریں تبدیل ہو رہی ہیں جسکی بدولت ش۔ فرخ اپنی آپ بیتی 'جینے کا جرم' میں پاکستان کے مشہور شاعر احمد فراز سے

قریبی تعلق اور اُن سے صحبت کے وقت غزل کی تخلیق کے لمحات کو بیان کرنے میں عار محسوس نہیں کرتیں۔ یہ طرز فکر، اظہار اور تخلیقی قوت خواتین اُردو ادب کو ثروت مند بنانے میں مصروف عمل ہے۔ دونوں مردو خواتین اپنے تخلیقی عمل، سوچ اور طرزِ اظہار کی بدولت اپنی جگہ مکمل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ جاوید اختر، منٹو، "عظیم بیگ چغتائی"، تخلیق وتالیف، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۳ء، ص ۳۱

۲۔ عصمت چغتائی، "دوزخی"، مشمولہ، "اُردو کے بہترین یادگار شخصی خاکے"، مرتبہ، مبین مرزا جلد دوم، الحمرا پبلشنگ، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۳۳۲

۳۔ آفتاب احمد، "بیاد صحبت نازک خیالاں"، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۳۳۸

۴۔ ایلس فیض، مشمولہ "نقوش شخصیات نمبر"، لاہور ۱۹۵۱ء، ص ۴۷۴

۵۔ سحاب قزلباش، "میرا جی"، "اُردو کے بہترین شخصی خاکے"، جلد سوم، مرتبہ مبین مرزا، الحمرا پبلشنگ، اسلام آباد، ۲۰۰۲، ص ۹۹۶

۶۔ اوپندر ناتھ اشک، "مرا دوست میرا دشمن"، مشمولہ، "سعادت حسن منٹو، منٹو صدی، منتخب مضامین"، مرتبین، مبین مرزا، رؤف پارکھ، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان ۲۰۰۱ء، س ۲۴-۲۳

۷۔ انوار احمد، ڈاکٹر، "پروفیسر خلیل صدیقی"، مشمولہ، "دس یادگار شخصی خاکے"، شعبہ اُردو، جامعہ زکریا، ملتان، ۲۰۰۶ء، ص ۸۹

۸۔ ممتاز مفتی، "غنڈہ"، "اور اوکھے لوگ"، الفیصل پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۷

۹۔ کشور ناہید، "میرے بھی صنم خانے"، "قرۃ العین حیدر"، "شناسائیاں"، "رسوائیاں"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۷۳